Al-Qalam القلم
p-ISSN: 2071-8683, e-ISSN: 2707-0077
Volume:27, Issue:2, 2022, pp. 301-326

اعتقادات میں محدثین کا منہج: "تقدیم النقل علی العقل"

The Methodology of Ḥadīth Scholars in Matters of Belief: *"Preference of Revelation over Reason"*

Ammar Amin
Ph.D. Scholar, Institute of Islamic Studies,
University of the Punjab, Lahore, Pakistan.
Dr. Hafiz Hasan Madni
Associate Professor, Institute of Islamic Studies,
University of the Punjab, Lahore, Pakistan.

KEYWORDS

Revelation, Reason, Divine Attributes, Ḥadīth Scholars, Islamic Theology

Date of Publication: 26-12-2022

ABSTRACT

The methodology of the Ḥadīth scholars in matters of creed (ʿaqīdah) is distinguished by a principled commitment to *taqdīm al-naql ʿala al-ʿaql*—the prioritization of revelation over reason. This approach was especially evident in discussions concerning the Divine Attributes (ṣifāt Allāh), where the scholars of ḥadīth adhered firmly to three foundational principles: preferring the transmitted texts of the Qur'an and Sunnah over intellectual speculation, making no distinction between the authority of the Qur'an and the Prophetic Sunnah, and refraining from metaphorical reinterpretation (ta'wīl). Contrary to rationalist schools such as the Muʿtazilah or philosophical trends that elevated human intellect as the ultimate authority, the ḥadīth scholars believed that reason must function within the boundaries set by revelation. While they did not reject reason altogether, they denied its independence in establishing matters of faith. Classical scholars like Ibn Taymiyyah, Ibn al-Qayyim, and Shah Waliullah al-Dihlawī emphasized the harmony between sound reason and authentic revelation, asserting that any apparent contradiction arises from a misunderstanding of either. The ḥadīth scholars maintained that overreliance on speculative

reasoning could lead to deviation from orthodox belief and a weakening of spiritual certitude. Therefore, they cautioned against delving into theological matters purely through rational inquiry. Their method promoted firm belief in the unseen (*īmān bil-ghayb*) and emphasized submission to the revealed knowledge found in the Qur'an and Sunnah. This conservative epistemology aimed to preserve the purity of Islamic theology and shield it from the distortions of excessive rationalism.

محدثین سلف صالحین اعتقادات بالخصوص صفات باری تعالی میں نقل (کتاب و سنت) کو اپنی عقل سے مقدم جانتے تھے اور "**يُؤْمِنُونَ بِالْغَيْبِ**"[1] پر پورے قائم تھے، فلاسفہ یونان کی طرح نہ تھے، کہ اپنی عقل کو مقدم سمجھتے ہوئے نبوت و آخرت اور احوال قبر کا بھی انکار کر دیں اور نہ ہی معطلہ کی طرح تھے، کہ صفات باری تعالیٰ کا نکار کر دیں، بلکہ وہ اپنی عقل کا قصور نکالتے تھے اور کتاب و سنت کو دل و جان سے قبول کر لیتے تھے اور نہ ہی مشبہہ کی طرح تھے، جو کہ صفات باری تعالیٰ کو صفات مخلوق کی طرح خیال کریں اور نہ ہی معتزلہ وغیرہ کی طرح تھے جو اپنی عقل کو مقدم جان کر اپنے طریقے کو اَحکم (مضبوط تر) کہتے تھے بلکہ وہ تو اس بات پر ایمان اور یقین رکھتے تھے کہ رسول اللہ ﷺ کی تعلیم نے ہر چیز سے غنی اور بے نیاز کر دیا ہے۔

اس لیے کہ بذات خود اللہ تعالیٰ نے اپنے فرمان "**وَأَنَّ هَذَا صِرَاطِي مُسْتَقِيمًا فَاتَّبِعُوهُ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِيلِهِ**"[2] (اور (اے پیغمبر! ان سے) یہ بھی کہو کہ: یہ میرا سیدھا سیدھا راستہ ہے، لہذا اس کے پیچھے چلو، اور دوسرے راستوں کے پیچھے نہ پڑو، ورنہ وہ تمہیں اللہ کے راستے سے الگ کر دیں گے۔) میں راہ اعتدال متعین فرما کر افراط و تفریط سے اجتناب کا حکم دیا، جس کی عملاً تائید سیدنا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت "خط لنا رسول الله صلى الله عليه وسلم خطا ، ثم قال: "هذا سبيل الله"، ثم خط خطوطا عن يمينه وعن شماله، ثم قال: " هذه سبل "على كل سبيل منها شيطان يدعو إليه"[3] (ایک مرتبہ نبی اکرم ﷺ نے ہمارے سامنے ایک لکیر کھینچی اور فرمایا کہ یہ اللہ کا راستہ ہے، پھر اس کے دائیں بائیں کچھ اور لکیریں کھینچیں اور فرمایا کہ یہ مختلف راستے ہیں جن میں سے ہر راستے پر شیطان بیٹھا ہے اور ان راستوں پر چلنے کی دعوت دے رہا ہے۔) سے ہوتی ہے، رب کائنات نے نہ صرف راستہ متعین کیا، بلکہ "**وَهَذَا كِتَابٌ أَنْزَلْنَاهُ مُبَارَكٌ فَاتَّبِعُوهُ وَ اتَّقُوا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ**"[4] (اور یہ قرآن ایک مبارک کتاب ہے جسے ہم نے نازل کیا ہے،

پس تم لوگ اسی کی پیروی کرو، اور تقوی کی راہ اختیار کرو، تاکہ تم پر اللہ کی رحمت نازل ہو۔)، "إِنَّ هَذَا الْقُرْآنَ يَهْدِي لِلَّتِي هِيَ أَقْوَمُ"[5](بلاشبہ یہ قرآن اس راہ کی طرف راہنمائی کرتا ہے جو سب سے سیدھی ہے۔)، "شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِي أُنْزِلَ فِيهِ الْقُرْآنُ هُدًى لِلنَّاسِ وَبَيِّنَاتٍ مِنَ الْهُدَى وَالْفُرْقَانِ"[6](رمضان کا مہینہ وہ ہے جس میں قرآن مجید اتارا گیا جو لوگوں کے لیے ہدایت ہے اور جس میں ہدایت اور حق و باطل کی تمیز کے واضح دلائل ہیں۔)اور ان کی مثل کئی آیات بینات میں قرآن کو، "وَ أَنْزَلْنَا إِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ إِلَيْهِمْ "[7](اور آپ کی طرف یہ ذکر (قرآن)اس لئے نازل کیا ہے تاکہ آپ لوگوں کو واضح طور پر بتادیں کہ ان کی طرف کیا چیز نازل کی گئی ہے۔)، "وَمَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا"[8](اور پیغمبر خدا ﷺ جس چیز کا تمہیں حکم دیں اسے قبول کرو اور جس چیز سے روکیں اس سے رک جاؤ۔)اور اس مفہوم کے بقیہ فرامین میں احادیث مبارکہ کو اور قرآن حکیم میں متعدد مقامات پر "يُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ" فرما کر کتاب و سنت کو دنیوی و اخروی کامیابی سمیٹنے کے لیے منقول نصاب کی حیثیت سے متعارف کیا اور "لَا رَيْبَ فِيهِ"[9] ، "وَلَمْ يَجْعَلْ لَهُ عِوَجًا قَيِّمًا"[10] (اور اس میں کوئی کجی نہیں رہنے دی، اسے ہر اعتبار سے درست بنایا۔) فرما کر اس دینی نصاب کو ہر قسم کی کجی سے منزہ قرار دیا۔

خالق کائنات نے تمام امور میں دینی تعلیم اور کتاب و سنت میں موجود مکمل راہنمائی کا ان الفاظ میں "الْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَ أَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَرَضِيتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِينًا"[11](آج میں نے تمہارے لیے تمہارا دین مکمل کر دیا، اور اپنی نعمت تم پر پوری کر دی، اور اسلام کو بحیثیت دین تمہارے لیے پسند کر لیا۔) اعلان کرتے ہوئے "وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَلَا مُؤْمِنَةٍ إِذَا قَضَى اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَمْرًا أَنْ يَكُونَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ أَمْرِهِمْ"[12](کسی مومن مرد اور کسی مومن عورت کو یہ حق نہیں ہے کہ جب اللہ اور اس کا رسول کسی معاملے میں فیصلہ کر دیں تو پھر اسے اس معاملے میں فیصلہ کرنے کا اختیار حاصل رہے۔)اور "إِنَّمَا كَانَ قَوْلَ الْمُؤْمِنِينَ إِذَا دُعُوا إِلَى اللَّهِ وَرَسُولِهِ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ أَنْ يَقُولُوا سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا"[13](مومنوں کی تو بات ہی یہ ہوتی ہے کہ جب انھیں اللہ اور اس کے رسول کی طرف بلایا جائے تاکہ وہ ان کے درمیان فیصلہ کرے تو وہ کہتے ہیں کہ ہم نے سن لیا اور اطاعت کی۔) فرما کر دینی احکامات و تعلیمات میں کسی بھی فرد کی رائے اور خواہش کی حیثیت کو ختم کر کے "اتَّبِعُوا مَا أُنْزِلَ إِلَيْكُمْ مِنْ رَبِّكُمْ وَلَا تَتَّبِعُوا مِنْ دُونِهِ أَوْلِيَاءَ"[14](تمہارے رب کی جانب سے جو کچھ تم پر

اتار گیا ہے اس کی پیروی کر، اور اللہ کے سوا دوسرے دوستوں اور مددگاروں کی پیروی نہ کرو۔)، "أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ"[15] (اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کرو۔) اور "وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ رَسُولٍ إِلَّا لِيُطَاعَ بِإِذْنِ اللَّهِ"[16] (ہم نے ہر رسول کو صرف اس لئے بھیجا کہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے اس کی فرمانبرداری کی جائے۔) کے ذریعہ کتاب وسنت کے تمسک کا حکم دیا اور واضح الفاظ میں "يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تُقَدِّمُوا بَيْنَ يَدَيِ اللَّهِ وَرَسُولِهِ"[17] (اے ایمان والو! تم لوگ اللہ اور اس کے رسول کے حکم سے آگے نہ بڑھو۔) اور "وَمَنْ يُشَاقِقِ الرَّسُولَ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدَى وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيلِ الْمُؤْمِنِينَ نُوَلِّهِ مَا تَوَلَّى وَنُصْلِهِ جَهَنَّمَ وَسَاءَتْ مَصِيرًا"[18] (اور جو شخص راہ ہدایت واضح ہو جانے کے بعد رسول کی مخالفت کرے گا، اور مومنوں کی راہ چھوڑ کر کسی دوسری راہ کی اتباع کرے گا، تو وہ جدھر جانا چاہے گا ہم اسے اسی طرف پھیر دیں گے، اور اسے جہنم میں ڈال دیں گے، اور وہ برا ٹھکانا ہو گا۔) کا اعلان فرما کر کسی بھی صورت میں کتاب وسنت پر کسی چیز کو فوقیت دینے سے منع کر دیا۔

کسی بھی قسم کے اختلاف کی صورت میں اللہ عزوجل نے اپنے فرمان "فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَالرَّسُولِ إِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ ذَلِكَ خَيْرٌ وَأَحْسَنُ تَأْوِيلًا"[19] (پھر اگر کسی معاملہ میں تمہارا اختلاف ہو جائے، تو اسے اللہ اور رسول کی طرف لوٹا دو، اگر تم اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتے ہو، اسی میں بھلائی ہے اور انجام کے اعتبار سے یہی اچھا ہے۔) میں کتاب وسنت کو واحد حل قرار دیا، بلکہ رب کائنات اور پیغمبر کائنات ﷺ نے اپنے فرامین "مَنْ يُطِعِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيمًا"[20] (اور جو اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرے گا، وہ یقیناً بڑی کامیابی سے سرفراز ہو گا۔)، "وَمَنْ يُطِعِ اللَّهَ وَالرَّسُولَ فَأُولَئِكَ مَعَ الَّذِينَ أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ مِنَ النَّبِيِّينَ وَالصِّدِّيقِينَ وَالشُّهَدَاءِ وَالصَّالِحِينَ وَحَسُنَ أُولَئِكَ رَفِيقًا"[21] (اور جو لوگ اللہ اور رسول کی اطاعت کریں گے تو وہ ان کے ساتھ ہوں گے جن پر اللہ نے انعام فرمایا ہے، یعنی انبیاء، صدیقین، شہداء اور صالحین۔ اور وہ کتنے اچھے ساتھی ہیں۔) اور "إني قد تركت فيكم شيئين لن تضلوا بعدهما: كتاب الله وسنتي، ولن يتفرقا حتى يردا علي الحوض"[22] (سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: میں تم میں دو چیزیں چھوڑ کر جا رہا ہوں اس کے بعد (جب تک تم دونوں کو مضبوطی سے تھامے رکھو گے) کبھی گمراہ نہ ہوؤ گے ایک تو اللہ تعالیٰ کی کتاب (قرآن مجید) اور دوسری میری سنت اور یہ دونوں کبھی بھی جدا نہیں ہونگی حتی کہ حوض پر آ کر مجھ سے مل لیں گی) میں اتباع کتاب وسنت کو

دنیاو آخرت میں حقیقی کامیابی کا ضامن قرار دیا اور کسی بھی انداز میں اس سے اعراض کو اللہ عزوجل نے اس آیت کریمہ "فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتَّى يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوا فِي أَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيمًا"[23] (تمہارے رب کی قسم! یہ مومن نہیں ہوسکتے جب تک آپس کے تمام اختلاف میں تمہیں حکم نہ مان لیں۔ پھر آپ کے فیصلہ کے بارے میں اپنے دل میں کسی طرح کی تنگی نہ پائیں اور اسے دل و جان سے تسلیم کرلیں۔) میں اور حضور اکرم ﷺ نے اپنی حدیث مبارکہ "لا يؤمن أحدكم حتى يكون هواه تبعا لما جئت به"[24] (سیدنا عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کوئی بھی شخص اس وقت تک کامل مؤمن نہیں ہوسکتا جب تک اس کی خواہشات میرے لائے ہوئے دین کے مطابق نہ ہو جائے) میں ہر اعتبار سے نقصان اور ناکامی کا سبب قرار دیا ہے۔

نقل (کتاب و سنت) کو بحیثیت مسلمان ہر اعتبار سے ترجیح دینے کی اہمیت کا اندازہ نبی اکرم ﷺ کے ارشاد "والذي نفس محمد بيده، لو بدا لكم موسى فاتبعتموه وتركتموني، لضللتم عن سواء السبيل، ولو كان حيا وأدرك نبوتي، لاتبعني"[25] (اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں محمد ﷺ کی جان ہے، اگر موسیٰؑ بھی تمہارے لئے ظاہر ہو جائیں اور تم ان کی اتباع کرو اور مجھے چھوڑ دو تو تم سیدھے راستے سے بھٹک جاؤ گے (گمراہ ہو جاؤ گے) اگر وہ (موسیٰ) زندہ ہوتے اور میری نبوت کو پالیتے تو وہ بھی میری اتباع کرتے۔) سے ہوتا ہے اور اسی اہمیت کے پیش نظر صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین کتاب و سنت کو بطور دلیل اور اس پر عملی و تبلیغی انداز اختیار کرنے میں اپنی عقل اور رائے کو کسی بھی خاطر نہ لاتے تھے، جیسا کہ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے متعلق مروی ہے:"سأل رجل ابن عمر رضي الله عنهما عن استلام الحجر، فقال: "رأيت رسول الله صلى الله عليه وسلم يستلمه ويقبله" قال: قلت: أرأيت إن زحمت، أرأيت إن غلبت، قال: اجعل أرأيت باليمن، رأيت رسول الله صلى الله عليه وسلم يستلمه ويقبله"[26] (ایک شخص نے ابن عمر رضی اللہ عنہما سے حجر اسود کے بوسہ دینے کے متعلق پوچھا تو انہوں نے بتلایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کو بوسہ دیتے دیکھا ہے۔ اس پر اس شخص نے کہا اگر ہجوم ہو جائے اور میں عاجز ہو جاوں تو کیا کروں؟ ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ اس اگر وگر کو یمن میں جا کر رکھو میں نے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ اس کو بوسہ دیتے تھے۔)، اسی طرح سیدنا علی رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے:" إذا حدثتكم عن رسول الله صلى الله عليه وسلم، فلأن أخر من السماء أحب إلي من أن أكذب عليه، وإذا حدثتكم فيما بيني وبينكم،

فإن الحرب خدعة "[27] (جب تم سے میں کوئی بات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حوالہ سے بیان کروں تو یہ سمجھو کہ میرے لیے آسمان سے گر جانا اس سے بہتر ہے کہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر کوئی جھوٹ باندھوں البتہ جب میں اپنی طرف سے کوئی بات تم سے کہوں تو لڑائی تو تدبیر اور فریب ہی کا نام ہے۔)، نیز سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے منقول ہے:"إنا كنا مرة إذا سمعنا رجلا يقول: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم، ابتدرته أبصارنا، وأصغينا إليه بآذاننا، فلما ركب الناس الصعب، والذلول، لم نأخذ من الناس إلا ما نعرف"[28] (ایک وہ وقت تھا جب ہم کسی شخص سے یہ سنتے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یوں فرمایا تو اسی وقت اس طرف دیکھتے اور کان اپنے لگا دیتے۔ پھر جب لوگ بری اور اچھی راہ چلنے لگے (یعنی غلط روایتیں شروع ہو گئیں) تو ہم لوگوں نے سننا چھوڑ دیا مگر جس حدیث کو ہم پہچانتے ہیں۔)

ان واضح نصوص کے پیش نظر محدثین کے ہاں عقیدہ اور عمل میں بطور معیار پیغمبر کائنات ﷺ کی تعلیمات (جو کتاب و سنت کی صورت میں منقول حیثیت میں ہمارے پاس موجود ہیں) اور نبی کریم ﷺ کے فرامین "ما أنا عليه و أصحابی"[29] اور "خير الناس قرني، ثم الذين يلونهم، ثم الذين يلونهم"[30] کی روشنی میں سلف کا طریقہ ہی اَحکم (مضبوط تر) اور اَسلم (سلامتی والا) ہے چنانچہ صاحب جوہرۃ التوحید کہتے ہیں:

فكل خير في اتباع من سلف وكل شر في ابتداع من خلف[31]

اس بیانیہ سے قطعاً یہ مقصود نہیں کہ شریعت اسلامیہ میں عقل کو کوئی حیثیت حاصل نہیں، کیونکہ دلائل شرعیہ کا مطالعہ کرنے سے یہی بات سامنے آتی ہے کہ عقل کو دین اسلام میں ایک خاص اہمیت حاصل ہے، کیونکہ اسی کی بنیاد پر انسان کو احکام شرعیہ کا مکلف بنایا گیا ہے اور اس کے استعمال کی نہ صرف ترغیب دلائی ہے، بلکہ مختلف مقامات پر اس کو سراہا بھی ہے اور عدم استعمال کی صورت میں مذمت بھی کی ہے، البتہ استعمال عقل کے دائرہ کو محدود کیا ہے، تاکہ ان امور میں غور وخوض سے اجتناب ممکن ہو جن میں عقل کے استعمال سے نتیجہ خیز ثمر ہی نا مل سکے۔

قرآنِ مجید اور عقل

قرآنِ مجید میں اللہ تعالیٰ نے کئی مقامات پر عقل اور اصحابِ عقل کا مقامِ مدح میں تذکرہ کیا ہے اور وہ لوگ جو عقل و خرد کا استعمال نہیں کرتے ان کی مذمت کی ہے۔

1۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں بعض احکام کے اواخر میں "يَا أُولِي الْأَلْبَابِ" کے الفاظ ذکر کر کے اشارہ کیا ہے کہ ان احکامات کی حکمت و فلاسفی اہل دانش بخوبی سمجھ سکتے ہیں۔ چنانچہ احکامِ حج ذکر کرنے کے بعد فرمایا: "وَ اتَّقُونِ يَا أُولِي الْأَلْبَابِ"[32] (اور اے عقلمندو! مجھ سے ڈرتے رہا کرو۔)، اسی طرح قصاص کا حکم دیتے ہوئے ارشاد فرمایا: "وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيَاةٌ يَا أُولِي الْأَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ"[33] (اے عقل والو! قصاص میں تمہارے لیے زندگی ہے تاکہ تم (قتل وغارت سے) بچ جاؤ۔)

2۔ کبھی اللہ تعالیٰ ذکر کرتے ہیں کہ آیاتِ قرآنی اور آیاتِ آفاقی و انفسی نیز امم سابقہ کے حالات کے تذکرہ سے نصیحت و عبرت محض اہل خرد ہی حاصل کرتے ہیں۔ چنانچہ ارشادِ باری ہے: "وَمَا يَذَّكَّرُ إِلاَّ أُوْلُواْ الأَلْبَابِ"[34] (اور نصیحت تو صرف عقل والے حاصل کرتے ہیں۔)، "لَقَدْ كَانَ فِي قَصَصِهِمْ عِبْرَةٌ لِأُولِي الْأَلْبَابِ"[35] (یقیناً ان قوموں کے واقعات میں عقل والوں کے لیے بڑی عبرت ہے۔) اور "وَلَقَدْ تَرَكْنَا مِنْهَا آيَةً بَيِّنَةً لِقَوْمٍ يَعْقِلُونَ"[36] (اور بلاشبہ یقیناً ہم نے اس سے ان لوگوں کے لیے ایک کھلی نشانی چھوڑ دی جو عقل رکھتے ہیں۔)

3۔ کبھی اللہ تعالیٰ نے اصحابِ دانش کا تذکرہ اس انداز میں کیا ہے کہ وہ خالقِ کائنات کی نشانیوں اور مظاہرِ قدرت پر نہ صرف غور و فکر کرتے ہیں بلکہ نتیجتاً بے ساختہ ان کی زبانیں ذکرِ الٰہی کے ترانے گانے لگتی ہیں۔ ایسے ہی مومن بندوں کی دوسری جگہ ان الفاظ میں تعریف و توصیف کی گئی ہے کہ وہ رب کائنات کی نشانیاں دیکھ کر اندھے بہرے بن کر نہیں گر پڑتے بلکہ ان پر غور و فکر کرتے رہتے ہیں۔ چنانچہ ارشادِ باری ہے: "وَالَّذِينَ إِذَا ذُكِّرُوا بِآيَاتِ رَبِّهِمْ لَمْ يَخِرُّوا عَلَيْهَا صُمًّا وَعُمْيَانًا"[37] (اور جب انھیں اپنے رب کی آیات سے نصیحت کی جاتی ہے تو ان پر اندھے اور بہرے ہو کر نہیں گرتے۔)

گویا قرآن تقلیدی ایمان کو قطعاً پسند نہیں کرتا بلکہ اپنے پیرووں سے عقل و فکر کا استعمال کرتے ہوئے سوچ سمجھ کر ایمان لانے کی امید رکھتا ہے۔ جب کہ دوسری طرف قرآن اس بات کی وضاحت بھی کرتا ہے کہ عقل و خرد کی ضیا افروزیوں سے بہرہ ورنہ ہونا مسلمانوں کا نہیں بلکہ کفار کا شیوہ ہے جو روزِ قیامت بایں الفاظ حسرت وندامت کا اظہار کریں گے: "لَوْ كُنَّا نَسْمَعُ أَوْ نَعْقِلُ مَا كُنَّا فِيْ أَصْحَابِ السَّعِيْرِ"[38] (پھر کہیں گے: کاش ہم (اس کی بات) سن لیتے یا سمجھتے تو ہم (آج) اہل دوزخ میں شامل نہ ہوتے۔)

5۔ شرعی طور پر عقل کی حفاظت مطلوب ہے کیونکہ عقل کی موجودگی سے ہی انسان احکامِ شرعیہ کا مکلف ٹھہرتا ہے۔یہی باعث ہے کہ ہر وہ چیز جو عقل کو معطل کر دے، اس کا کھانا پینا شریعت نے حرام قرار دیا ہے۔اسی لیے شراب اور ہر قسم کی نشہ آور چیز شرعاً حرام ہے۔اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:"يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْأَنْصَابُ وَالْأَزْلَامُ رِجْسٌ مِنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ فَاجْتَنِبُوهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ"[39](اے لوگو جو ایمان لائے ہو! بات یہی ہے کہ شراب اور جوا اور شرک کے لیے نصب کردہ چیزیں اور فال کے تیر سراسر گندے ہیں، شیطان کے کام سے ہیں، سو اس سے بچو، تاکہ تم فلاح پاؤ۔)

6۔ قرآن مجید واحد مذہبی و الہامی کتاب ہے جو عقائد (وجودِ باری تعالیٰ کا اثبات، توحید، نبوت و رسالت کی ضرورت، امکانِ قیامت اور وقوعِ قیامت) کے لیے نہایت معقول قسم کے دلائل پیش کرتی ہے اور عقولِ انسانی کو ان پر غور و فکر کی بھرپور دعوت دیتی ہے۔علاوہ ازیں قرآن نے بالخصوص یہود و نصاریٰ کے غیر معقول عقائد و نظریات کے حوالے سے ان سے مکالمہ و مباحثہ نہایت معقول بنیادوں پر کیا ہے۔مثلاً ابنیتِ مسیح اور الوہیتِ مسیح کے عقیدے کی تردید کے لیے قرآن اپنا مقدمہ یوں قائم کرتا ہے:

اللہ جو سب کا خالق و مالک ہے، وہ کھانے پینے اور بیوی بچوں سے بے نیاز ہے۔نہ وہ پیدا ہوا اور نہ اس نے آگے کسی کو جنم دیا۔وہ ہر قسم کے ضعف، کمزوری، بیماری، نیند اور اونگھ وغیرہ ایسے عیوب و نقائص سے منزہ و پاک ہے۔

اس کے مقابلے میں حضرت عیسی علیہ السلام، حضرت مریم علیہا السلام کے بطن سے پیدا ہوئے۔تمام انسانی حوائج و ضروریات، بشری خصوصیات اور تقاضے ان کے ساتھ بھی لگے ہوئے تھے۔لہذا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کیونکر اللہ کے بیٹے اور درجہ الوہیت پر فائز ہو سکتے ہیں جب کہ بیٹے کو تو اپنی خصوصیات میں باپ ہی کی مثل ہونا چاہیے تھا۔

چونکہ سیدنا مسیح علیہ السلام بن باپ کے پیدا ہوئے، لہذا عیسائی دنیا نے انہیں براہ راست "ابن اللہ" قرار دے دیا۔قرآن ان کے اس غیر معقول نظریے کی تردید اس عقلی استدلال کے ساتھ کرتا ہے کہ اگر عیسی علیہ السلام بن باپ کے پیدا ہوئے ہیں تو حضرت آدم علیہ السلام تو بن ماں اور باپ کے پیدا ہوئے ہیں، لہذا انہیں تو پھر بالاولیٰ "ابن اللہ" ہونا چاہیے تھا لیکن اگر اس کے باوجود وہ "ابن اللہ" نہیں تو سیدنا مسیح علیہ السلام کیونکر "ابن اللہ" ہو گئے۔

قرآن مجید کی درج ذیل آیات عیسائی دنیا کو ان کے غیر معقول عقائد بارے غور وفکر کی بھرپور دعوت دیتی ہیں۔

"مَا الْمَسِيحُ ابْنُ مَرْيَمَ إِلَّا رَسُولٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ وَأُمُّهُ صِدِّيقَةٌ كَانَا يَأْكُلَانِ الطَّعَامَ انْظُرْ كَيْفَ نُبَيِّنُ لَهُمُ الْآيَاتِ ثُمَّ انْظُرْ أَنَّى يُؤْفَكُونَ"[40] (مسیح ابن مریمؑ سوائے پیغمبر ہونے کے اور کچھ بھی نہیں، اس سے پہلے بھی بہت سے پیغمبر ہو چکے ہیں ان کی والدہ ایک راست باز عورت تھیں دونوں ماں بیٹا کھانا کھایا کرتے تھے آپ دیکھیے کہ کس طرح ہم ان کے سامنے دلیلیں رکھتے ہیں اور پھر غور کیجئے کہ کس طرح وہ پھرے جاتے ہیں۔)

"إِنَّ مَثَلَ عِيسَى عِنْدَ اللَّهِ كَمَثَلِ آدَمَ خَلَقَهُ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَهُ كُنْ فَيَكُونُ"[41] (بلاشبہ اللہ کے ہاں عیسیٰؑ کی مثال آدمؑ جیسی ہے جسے اللہ نے مٹی سے پیدا کیا پھر اسے حکم دیا کہ "ہو جا" تو وہ ہو گیا۔)

یہود و نصاریٰ جب اس پندار میں مبتلا ہوئے کہ ان کی نجات و کامیابی کے لیے محض یہی کافی ہے کہ ان کے وجود کے ساتھ یہودیت وعیسائیت کا لیبل لگا ہوا ہے اور عمل و کردار کی کوئی ضرورت نہیں تو اللہ تعالیٰ نے ان کے اس نظریہ وعقیدہ کو ہدفِ تنقید بناتے ہوئے کوئی عقلی جواز پیش کرنے کا بایں الفاظ مطالبہ کیا: "وَقَالُوا لَنْ يَدْخُلَ الْجَنَّةَ إِلَّا مَنْ كَانَ هُودًا أَوْ نَصَارَى تِلْكَ أَمَانِيُّهُمْ قُلْ هَاتُوا بُرْهَانَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ"[42] (اہل کتاب کہتے ہیں کہ جنت میں صرف وہی شخص داخل ہو گا جو یہودی ہو یا عیسائی ہو۔ یہ ان کی جھوٹی تمنائیں ہیں، آپ ان سے کہیے: کہ اگر اس دعویٰ میں سچے ہو تو اس کے لیے کوئی دلیل پیش کرو۔)

اسی طرح قرآن نے مشرکین کے شرک کی تردید بھی جابجا اپنے مخصوص عقلی منہاج کے ساتھ کی ہے اور خصوصاً ان سے بھی کوئی علمی و عقلی دلیل پیش کرنے کا بایں الفاظ مطالبہ کیا ہے: "قُلْ هَلْ عِنْدَكُمْ مِنْ عِلْمٍ فَتُخْرِجُوهُ لَنَا"[43] (تم ان سے کہو کہ: کیا تمہارے پاس کوئی علم ہے جو ہمارے سامنے نکال کر پیش کر سکو؟)

اس کے ساتھ قرآن نے یہ بھی دعویٰ کیا ہے کہ یہ مشرکین کسی عقلی دلیل کی بجائے محض اپنے ظن و تخمین اور اٹکل کی پیروی کر رہے ہیں۔ چنانچہ فرمایا: "قُلْ فَلِلَّهِ الْحُجَّةُ الْبَالِغَةُ فَلَوْ شَاءَ لَهَدَاكُمْ أَجْمَعِينَ. قُلْ هَلُمَّ شُهَدَاءَكُمُ الَّذِينَ يَشْهَدُونَ أَنَّ اللَّهَ حَرَّمَ هَذَا فَإِنْ شَهِدُوا فَلَا تَشْهَدْ مَعَهُمْ وَلَا تَتَّبِعْ أَهْوَاءَ الَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا وَالَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ وَهُمْ بِرَبِّهِمْ يَعْدِلُونَ"[44] (اے پیغمبر ﷺ! ان سے کہو کہ: ایسی دلیل تو اللہ ہی کی ہے جو (دلوں تک) پہنچنے والی ہو۔ چنانچہ اگر وہ چاہتا تو تم سب کو (زبردستی)

ہدایت پر لے آتا۔ ان سے کہو کہ: اپنے وہ گواہ ذرا سامنے لاؤ جو یہ گواہی دیں کہ اللہ نے ان چیزوں کو حرام قرار دیا ہے۔ پھر اگر یہ خود گواہی دے بھی دیں تو تم ان کے ساتھ گواہی میں شریک نہ ہونا، اور ان لوگوں کی خواہشات کے پیچھے نہ چلنا جنہوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا ہے۔ جو آخرت پر ایمان نہیں رکھتے، اور جو دوسروں کو (خدائی میں) اپنے پروردگار کے برابر مانتے ہیں۔)

7۔ قرآن مجید میں نیکی کے لیے "معروف" اور برائی کے لیے "منکر" کے الفاظ استعمال کیے گئے ہیں۔ جو نہایت بامعنٰی اور بامقصد ہیں۔ معروف کا لغوی معنی ہے وہ چیز جو پہلے سے ہی جانی پہچانی ہو۔ گویا انسانی عقل اگر ان امورِ خیر پر غور و فکر کرے تو وہ ان احکام سے اجنبیت محسوس نہ کرے گی، بلکہ یوں محسوس ہو گا جیسے عقل کو ایک بھولا ہوا سبق ہی یاد دلایا جارہا ہے۔ جب کہ منکر کا لغوی معنی ہے وہ چیز جس کا انکار کیا گیا ہو، گویا عقل انسانی اس کو قبول کرنے سے لگا کھاتی (ابا کرتی) ہے۔ وہ انسانی عقول کے لیے قابل قبول چیز ہی نہیں ہے۔

8۔ قرآن مجید کو اللہ تعالیٰ نے "تذکرہ"، "ذکر" اور "ذکرٰی" کے الفاظ سے بھی یاد کیا ہے۔ جس کا مطلب بھولے ہوئے سبق کی یاد دہانی ہے۔ یہ الفاظ بھی اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ قرآنی احکام دراصل فطرتِ انسانی کو اپیل کرتے ہیں اور عقل انہیں قبول بھی کرتی ہے۔ اسی لیے انسانی عقول کو ان کا بھولا ہوا سبق یاد دلایا جارہا ہے۔

9۔ قرآن مجید نے عقل کی محدودیت کی طرف بھی اشارہ کر دیا ہے۔ چنانچہ جب یہود نے روح کی حقیقت بارے نبی کریم ﷺ سے سوال کیا، تو جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "**وَيَسْأَلُونَكَ عَنِ الرُّوحِ قُلِ الرُّوحُ مِنْ أَمْرِ رَبِّي وَمَا أُوتِيتُمْ مِنَ الْعِلْمِ إِلَّا قَلِيلًا**"[45] (اور یہ لوگ آپ سے روح کی بابت سوال کرتے ہیں، آپ جواب دیجئے کہ روح میرے رب کے حکم سے ہے اور تمہیں بہت ہی کم علم دیا گیا ہے۔) اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ قرآن ان امور میں جو عقل کے دائرہ کار سے ہی خارج ہیں اور جن میں غور و فکر کرنے سے کوئی نتیجہ خیز ثمر ہی نہ مل سکے، عقل کے گھوڑے دوڑانے سے منع بھی کرتا ہے۔ چنانچہ سید قطب شہیدؒ (م 1966ء) لکھتے ہیں کہ اس سے یہ مطلب نہیں نکلتا کہ یہاں عقل انسانی کو اپنا عمل کرنے سے روکا جارہا ہے بلکہ دراصل عقل کو اس کی حدودِ ادراک میں رکھنے کا حکم دیا گیا ہے۔[46]

10۔ قرآن مجید میں لفظ عقل کہیں بطور اسم (Noun) استعمال نہیں کیا گیا بلکہ بطور فعل (Verb) اس کے مختلف صیغے اور مشتقات استعمال کیے گئے ہیں۔ قرآن میں عقل کا بطورِ فعل استعمال دراصل عقل کے استعمال کی طرف مشیر ہے۔ گویا قرآن میں کسی ایسی یونانی عقل کا تصور نہیں پایا جاتا جو مجرد قائم بالذات جوہر ہو۔

قرآن مجید میں آیاتِ قرآنی اور آیاتِ انفسی و آفاقی پر تدبر اور غور و فکر کی بھرپور طریقے سے دعوت دی گئی ہے۔ ظاہر ہے اس تدبر اور غور و فکر کی دعوت میں دراصل استعمالِ عقل کی دعوت ہے، کیونکہ عقل ہی تدبر اور غور و فکر کا ایک اہم ذریعہ ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے آیات قرآنی پر غور و فکر کی بایں الفاظ دعوت دی ہے: "**أَفَلَا يَتَدَبَّرُونَ الْقُرْآنَ أَمْ عَلَى قُلُوبٍ أَقْفَالُهَا**"[47] (کیا یہ قرآن میں غور و فکر نہیں کرتے؟ یا ان کے دلوں پر ان کے تالے لگ گئے ہیں۔) اور ایک دوسرے مقام پر فرمایا: "**أَفَلَا يَتَدَبَّرُونَ الْقُرْآنَ وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللَّهِ لَوَجَدُوا فِيهِ اخْتِلَافًا كَثِيرًا**"[48] (تو کیا وہ قرآن میں غور و فکر نہیں کرتے، اور اگر وہ غیر اللہ کی طرف سے ہو تا تو وہ اس میں بہت زیادہ اختلاف پاتے۔)

جب کہ آیاتِ انفسی و آفاقی کی طرف عقل انسانی کو بایں الفاظ متوجہ کیا ہے:

- **وَفِي أَنْفُسِكُمْ أَفَلَا تُبْصِرُونَ** [49]

اور تمہارے وجود میں بھی نشانیاں ہیں کیا تم نہیں دیکھتے؟

- **ثُمَّ كَانَ عَلَقَةً فَخَلَقَ فَسَوَّى . فَجَعَلَ مِنْهُ الزَّوْجَيْنِ الذَّكَرَ وَالْأُنْثَى** [50]

پھر وہ ایک لوتھڑا تھا، تو اللہ نے اسے پیدا کیا، پھر اسے درست بنایا، پھر اس نے اس کی نر اور مادہ دو قسمیں بنائیں۔

- **وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ مِنْ سُلَالَةٍ مِنْ طِينٍ. ثُمَّ جَعَلْنَاهُ نُطْفَةً فِي قَرَارٍ مَكِينٍ. ثُمَّ خَلَقْنَا النُّطْفَةَ عَلَقَةً فَخَلَقْنَا الْعَلَقَةَ مُضْغَةً فَخَلَقْنَا الْمُضْغَةَ عِظَامًا فَكَسَوْنَا الْعِظَامَ لَحْمًا ثُمَّ أَنْشَأْنَاهُ خَلْقًا آخَرَ فَتَبَارَكَ اللَّهُ أَحْسَنُ الْخَالِقِينَ** [51]

یقیناً ہم نے انسان کو مٹی کے جوہر سے پیدا کیا، پھر اسے نطفہ بنا کر محفوظ جگہ میں قرار دے دیا، پھر نطفہ کو ہم نے جما ہوا خون بنا دیا، پھر خون کے لوتھڑے کو گوشت کا ٹکڑا کر دیا، پھر گوشت کے ٹکڑے کو ہڈیاں بنا دیں، پھر ہڈیوں کو ہم نے گوشت پہنا دیا پھر دوسری بناوٹ میں اسے پیدا کر دیا برکتوں والا ہے وہ اللہ جو سب سے بہترین پیدا کرنے والا ہے۔

- **سَنُرِيهِمْ آيَاتِنَا فِي الْآفَاقِ وَفِي أَنْفُسِهِمْ حَتَّى يَتَبَيَّنَ لَهُمْ أَنَّهُ الْحَقُّ** [52]

عنقریب ہم انہیں اپنی نشانیاں آفاق عالم میں بھی دکھائیں گے اور خود ان کی اپنی ذات میں بھی یہاں تک کہ ان پر کھل جائے کہ حق یہی ہے۔

- مَا تَرَى فِي خَلْقِ الرَّحْمَنِ مِنْ تَفَاوُتٍ فَارْجِعِ الْبَصَرَ هَلْ تَرَى مِنْ فُطُورٍ. ثُمَّ ارْجِعِ الْبَصَرَ كَرَّتَيْنِ يَنْقَلِبْ إِلَيْكَ الْبَصَرُ خَاسِئًا وَهُوَ حَسِيرٌ[53]

رحمان کے پیدا کیے ہوئے میں تو کوئی کمی بیشی نہیں دیکھے گا۔ پس نگاہ کو لوٹا، کیا تجھے کوئی کٹی پھٹی جگہ نظر آتی ہے؟، پھر بار بار نگاہ لوٹا، نظر ناکام ہو کر تیری طرف پلٹ آئے گی اور وہ تھکی ہوئی ہو گی۔

بعض اہل علم کا تو یہاں تک دعویٰ ہے کہ کائنات و ما فیہا پہ غور و فکر کی دعوت دراصل "اولیاتِ قرآن" سے ہے۔[54]

جو یقیناً قرآن اور حاملینِ قرآن کے لیے وجہ افتخار ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ قرآن مجید دراصل صحیفہ عقل و دانش ہے، جس میں فروعی شرعی احکام کی کم و بیش چھ صد آیات کو چھوڑ کر بقیہ آیات میں عقیدے کے مسائل بیان کیے گئے ہیں۔ اور ان عقائد پر قائل کرنے کے لیے قرآن سراسر عقلی دلائل ہی دیتا ہے۔[55]

قرآن مجید نے اپنے پیش کردہ عقائد پر قائل کرنے کے لیے اس قدر عقلی دلائل دینے کا اہتمام کیا ہے کہ بعض علما نے اسے بھی قرآن کے اعجاز کی ایک اہم دلیل قرار دیا ہے۔[56] چنانچہ علامہ ابن تیمیہؒ (م728ھ) لکھتے ہیں کہ: قرآن دعوت و بیان میں کافی ہے اور دلیل و برہان تو اس پر ختم ہے۔[57] اسی طرح معروف مسلمان فلسفی ابن رشدؒ (م595ھ) لکھتے ہیں کہ: پورا قرآن عقلی تدبر و عبرت پزیری پر اور طریقہ تدبر کے اشارات پر مشتمل ہے۔[58]

نزول قرآن سے پہلے کے دور کو توہم پرستی، سحر و کہانت اور شعبدہ بازی کا دور کہا جا سکتا ہے اور یہ کہنا قطعاً مبنی بر مبالغہ نہ ہو گا کہ قرآن مجید نے ہی دراصل عقل و خرد کے استعمال کا دروازہ صحیح معنوں میں وا کیا۔ یہی وجہ ہے کہ جب نبی کریم ﷺ سے مشرکینِ مکہ نے اپنی نبوت و رسالت کے اثبات کے لیے بعض حسّی قسم کے معجزات و خوارق پیش کرنے کا مطالبہ کیا تو قرآن نے اسے پسند نہیں کیا۔[59]

حسّی معجزات پیش نہ کرنے کی قرآن نے دو وجوہات بیان کی ہیں:

1. ایک یہ کہ سابقہ اقوام حسی معجزات و خوارق کے مشاہدہ کے باوجود اپنی ڈگر سے ٹس سے مس نہ ہوئیں اور انہوں نے اپنے پیغمبروں کی نبوت و رسالت کو پھر بھی تسلیم نہیں کیا۔ چنانچہ اللہ فرماتے ہیں: "وَمَا مَنَعَنَا أَنْ نُرْسِلَ بِالْآيَاتِ إِلَّا أَنْ كَذَّبَ بِهَا الْأَوَّلُونَ"[60] (اور نشانیاں بھیجنے سے ہمیں اس بات نے روک دیا ہے کہ گزشتہ قومیں ایسی نشانیوں کو جھٹلاتی رہی ہیں۔)

2. دوسری وجہ یہ بتائی کہ خود قرآن سے بڑا کیا دائمی معجزہ ہو سکتا ہے، جس کے الفاظ، جملے وتراکیب، معانی ومفاہیم، تعلیمات وہدایات اور عقائد و نظریات تمام ہی معجزہ کی حیثیت رکھتے ہیں، جن کی حقانیت کو ماننے بغیر کوئی چارہ ہی نہیں۔ عقل و خرد اس کے سامنے عاجز و بے بس ہے۔ اسی لیے ارشادِ الٰہی ہوتا ہے:"وَقَالُوا لَوْلَا أُنْزِلَ عَلَيْهِ آيَاتٌ مِنْ رَبِّهِ قُلْ إِنَّمَا الْآيَاتُ عِنْدَ اللَّهِ وَ إِنَّمَا أَنَا نَذِيرٌ مُبِينٌ. أَوَلَمْ يَكْفِهِمْ أَنَّا أَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ يُتْلَى عَلَيْهِمْ إِنَّ فِي ذَلِكَ لَرَحْمَةً وَذِكْرَى لِقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ"[61](انہوں نے کہا کہ اس پر کچھ نشانیاں (معجزات) اس کے رب کی طرف سے کیوں نہیں اتارے گئے۔ آپ کہہ دیجئے کہ نشانیاں توسب اللہ تعالیٰ کے پاس ہیں، میں توصرف کھلم کھلا آگاہ کر دینے والا ہوں۔ کیا انھیں یہ کافی نہیں؟ کہ ہم نے آپ پر کتاب نازل فرمائی جو ان پر پڑھی جارہی ہے، اس میں رحمت (بھی) ہے اور نصیحت (بھی) ہے ان لوگوں کے لئے جو ایمان لاتے ہیں۔)

حقیقت یہ ہے کہ اگرچہ نبی آخری الزماں ﷺ کو کئی حسی معجزات سے بھی نوازا گیا تھا، جن کا تفصیلی ذکر کتبِ حدیث وسیرت میں موجود ہے مگر قرآن نے حسی معجزہ کے اظہار کو زیادہ ترجیح نہیں دی، جس کی ایک وجہ یہی ہے کہ وہ عارضی اور وقتی ہوتا ہے، جس کی بدولت تھوڑی دیر کے لیے تو حاضرین وموجودین کو ورطۂ حیرت میں ڈالا جاسکتا ہے، لیکن اسے حق وباطل کی پہچان کے لیے آخری درجہ کا معیار اور کسوٹی قرار نہیں دیا جاسکتا۔[62]

مزید برآں اس کا ظہور غائبین کے لیے اور آئندہ آنے والی نسلوں کے لیے کوئی زیادہ تسلی بخش بھی نہیں ہو سکتا۔ بایں وجہ قرآن نے حسی معجزہ کو بطور دلیل پیش کرنے کی بجائے عقلی استدلال کے پیش کرنے کو ترجیح دی ہے، یعنی وہ دلائلِ عقلی جو حاضرین وغائبین اور قیامت تک آنے والی نسلوں کی عقول کو دعوتِ فکر دیتے ہیں اور دیتے رہیں گے۔

قرآن مجید کا عقلی استدلال کو اختیار کرنا دراصل اس اعتبار سے اعجاز القرآن کی ایک اہم دلیل ہے کہ اس کتاب کے نازل کرنے والے رب کو پیشگی پتہ تھا کہ اب توہم پرستی اور شعبدہ طرازی کا دور ختم ہوا چاہتا ہے اور مستقبل کا انسان عقل وخرد کا اسیر ہو کر رہ جائے گا۔ لوگ ہر بات کو عقل کی کسوٹی پر پرکھیں گے، لہذا قرآن میں عقلی دلائل وبراہین پیش کر کے پیشگی طور پر ان کی تشفی کا سامان کر دیا گیا۔ اسی لیے بعض سکالرز کا کہنا ہے کہ آپ ﷺ نے جب اس جہانِ آب وگل میں قدم رنجہ فرمایا تو اس وقت انسانیت عقلی پختگی اور بلوغ کے مرحلہ میں داخل ہو چکی تھی۔[63]

قرآن مجید رب کائنات کی آخری الہامی (Revealed) کتاب ہے جس کی اصل حیثیت "منقول" کی ہے، مگر ایسی منقول جو عقل کو بھی ساتھ لے کر چلتی ہے۔ لہذا یہ کہنا بالکل بجا ہے کہ دراصل قرآن نے نقل و عقل میں ایک طرح سے خوشگوار ربط اور حسین امتزاج پیدا کر دیا ہے۔ یہی باعث ہے کہ بعض علمائے محققین نے لکھا ہے کہ یہ ہو ہی نہیں سکتا کہ شریعت اور عقل ایک دوسرے کے حریف اور مدمقابل بن جائیں۔ چنانچہ امام ابن تیمیہؒ (م 728ھ) بجاطور پر یہ دعوٰی کرتے ہیں کہ عقل و نقل میں جہاں واقعی اختلاف ہو تو وہ دو وجوہ میں سے لازماً کسی ایک وجہ سے ہی ہو گا۔ یا تو اس منقول کا تعلق احادیث موضوعہ سے ہو گا یا پھر ان دلائل سے استدلال و استنباط میں کہیں خلل واقع ہوا ہو گا۔ تیسری کوئی صورت ہو ہی نہیں سکتی، کیونکہ اللہ اور اس کے پیغمبر کوئی خلافِ عقل بات نہیں کہہ سکتے۔ [64]

یہی وجہ ہے کہ امام صاحب نے اس موضوع پر اپنی شاہکار تصنیف کا نام بھی "موافقة صحيح المنقول لصريح المعقول" رکھا ہے، جس میں اشارہ ہے کہ نقلِ صحیح اور عقلِ صریح میں قطعاً اختلاف و تناقض نہیں بلکہ موافقت ہی ہوتی ہے۔ [65] چنانچہ آپ کا کہنا ہے کہ دراصل شریعت کی ضد عقلِ سلیم نہیں بلکہ بدعت ہے۔ [66]

حدیثِ مصطفٰی ﷺ اور عقل

حضرات انبیائے کرام علیہم السلام نے قطعاً استعمال عقل سے منع نہیں فرمایا بلکہ اس کے صحیح استعمال کی اجازت دی ہے۔ ہمارے نبی محترم حضرت محمد رسول اللہ ﷺ بھی جب کفارِ مکہ کو دعوتِ توحید و رسالت پیش کرتے اور قیامت پر ایمان لانے کا کہتے تو آپ ﷺ کا دعوتی اسلوب بھی استدلالی و برہانی ہوتا تھا۔ آپ ﷺ قرآنی آیات کی تلاوت کرتے، جن کے ذریعے آیاتِ انفسی و آفاقی پر غور و فکر کی دعوت دیتے تاکہ اس نظامِ کائنات کو دیکھ کر وہ اپنے خالقِ حقیقی کو پہچان سکیں اور توحید باری کے قائل ہو سکیں۔

حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اپنی تسلی و تشفی کے لیے بسا اوقات عقل و خرد میں اٹھنے والے اور بے چین کر دینے والے سوالات رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پیش کرتے تو آپ ﷺ ان کے سوالاتِ صحیحہ کے تسلی بخش جوابات دیتے اور کبھی ایسا ہوتا کہ آپ ﷺ خود ہی ایک کامیاب تجربہ کار استاد کی طرح سوال پیش کرتے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے ان کا جواب طلب کرتے۔ ان کے جواب نہ دینے کی صورت میں آپ ﷺ خود جواب بتلاتے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے آپ ﷺ کا سوالات کرنا دراصل ان کی خوابیدہ ذہنی و

عقلی اور فکری صلاحیتوں کو جلا بخشنے کا باعث بنتا۔ گویا اس انداز میں آپ ﷺ انہیں عقل و خرد کے استعمال کرنے اور غور و فکر کرتے رہنے کی ترغیب دیتے۔

صحیح بخاری میں مروی ایک حدیث جس کے راوی سیدنا عمران بن حصین رضی اللہ عنہ ہیں، بیان کرتے ہیں کہ میں نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا جب کہ میں نے اپنی اونٹنی دروازے پر ہی باندھ دی تھی۔ اتنے میں بنو تمیم کے کچھ لوگ آئے جنہیں نبی ﷺ نے فرمایا: بنو تمیم! بشارت قبول کرو۔ مگر وہ کہنے لگے، چونکہ آپ ﷺ نے ہمیں بشارت دی ہے لہذا ہمیں کچھ دیں بھی۔ دو مرتبہ انہوں نے یہی کہا جس سے آپ ﷺ کے چہرہ انور کی رنگت بدل گئی (یعنی آپ ﷺ نے ان کے مطالبہ کو پسند نہیں فرمایا) تھوڑی دیر بعد یمن سے کچھ لوگ آگئے تو آپ ﷺ نے پھر ارشاد فرمایا: اے اہل یمن! بشارت قبول کرو جب کہ بنو تمیم نے تو اسے قبول نہیں کیا۔ وہ کہنے لگے: اللہ کے رسول! ہم نے وہ بشارت قبول کی اور پھر عرض کرتے ہیں: ہم دین میں فقاہت حاصل کرنے اور اس کائنات کی ابتدا بارے آپ ﷺ سے کچھ پوچھنے کی غرض سے حاضر ہوئے ہیں۔

چنانچہ اللہ کے نبی ﷺ ارشاد فرماتے ہیں کہ اللہ موجود تھا اور اس کے علاوہ کوئی چیز نہ تھی (دوسری روایت میں ہے اس سے پہلے کوئی چیز نہ تھی) اس کا عرش پانی پر تھا۔ اس نے تقدیر کی کتاب میں ہر چیز کے بارے لکھ دیا اور پھر اس نے زمین و آسمان کی تخلیق کی۔

سیدنا عمران بن حصین رضی اللہ عنہ راوی حدیث بیان کرتے ہیں کہ اتنے میں کسی نے آواز لگائی، ابن الحصین! تمہاری اونٹنی گئی۔ چنانچہ میں یہ سن کر اٹھ گیا مگر وہ تو کافی دور چلی گئی تھی۔ اللہ کی قسم! میری خواہش یہی تھی کہ میں اسے جانے دیتا اور مجلسِ نبوی ﷺ سے نہ اٹھتا۔[67]

اس حدیث سے واضح طور پر معلوم ہو رہا ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین نبی کریم ﷺ سے غیبی امور سے متعلق استفسار کرتے اور آپ ﷺ بغیر کسی ناگواری کا اظہار کیے جوابات دیتے جن سے صحابہ رضی اللہ عنہم کو اطمینانِ قلب حاصل ہوتا۔ ان کے ذہنی شکوک و شبہات اور اعتراضات و اشکالات رفع ہو جاتے۔ راوی حدیث سیدنا عمران بن حصین رضی اللہ عنہ کا اس بارے ذوق و شوق ملاحظہ ہو کہ وہ ایسے سوالات کا جواب سننے میں کس قدر فرحت و راحت محسوس کرتے ہیں اور اس بات کا اظہار کرتے ہیں کہ سواری (اونٹنی) جاتی ہے تو جائے مگر مجلسِ رسول سے اٹھ کر آپ ﷺ کے ارشادات عالیہ سے محرومی نہ ہونے پائے۔[68]

صحیح بخاری ہی کی ایک اور حدیث ملاحظہ ہو جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ نبی ﷺ کبھی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے استفسار کیے بغیر بھی عموماً ذہنوں میں اٹھنے والے سوالات بارے حقائق بیان فرما کر ممکنہ ذہنی خلفشار کا پیشگی ازالہ فرمادیتے۔

چنانچہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک دفعہ نبی ﷺ ہمارے درمیان کھڑے ہوئے اور آغازِ تخلیق کے بارے بتانے لگے، جس میں کہ آپ ﷺ نے اہلِ جنت و جہنم اور ان کے مقامات بارے بھی گفتگو فرمائی۔(یعنی آغاز و انتہا بارے تفصیلاً بیان کیا) سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ یاد رکھنے والوں نے اسے یاد رکھا اور بھولنے والے اسے بھول گئے۔[69]

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بسا اوقات اپنے دلوں میں پیدا ہونے والے وساوس اور شکوک و شبہات بارے اپنی بے چینی و پریشانی کا ذکر نبی کائنات ﷺ سے کرتے تو آپ ﷺ ان کی حوصلہ شکنی کرنے کی بجائے حوصلہ افزائی فرماتے۔ غور و فکر کرنے اور شک و شبہ سے کلی طور پر منع نہ فرماتے۔ چنانچہ سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ کے پاس کچھ صحابہ آئے اور کہنے لگے کہ ہم (بسا اوقات) اپنے دلوں میں بعض ایسی باتیں محسوس کرتے ہیں کہ جنہیں نوکِ زبان پر لاتے ہوئے بھی خوف محسوس ہوتا ہے۔ تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "ذاك صريح الإيمان."[70] (یہ تو عین ایمان ہے۔) جب کہ صحیح مسلم ہی کہ ایک دوسری روایت میں آپ ﷺ نے اسے خالص ایمان قرار دیا ہے۔[71]

یہ حدیث اس بات کی طرف رہنمائی کرتی ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے دلوں میں پیدا ہونے والے شکوک و شبہات کی وجہ سے اپنی پریشانی کا اظہار کیا تو نبی ﷺ نے ان کی حوصلہ افزائی فرماتے ہوئے اسے عین ایمان اور دوسری حدیث میں ایمان کا نچوڑ اور خلاصہ قرار دیا۔ یہ اس لیے کہ وساوس کی آمد کو روکنا کسی انسان کے بس میں ہے ہی نہیں۔ البتہ ایسے موقع پر مومن دل میں تشویش محسوس کرے اور اپنے ایمان کی حفاظت کی فکر کرے تو یہ یقیناً وجودِ ایمان کی علامت ہے۔ اگر آپ ﷺ ان وساوس کی آمد پر ان کو ڈانٹتے تو یہ یقیناً خلافِ فطرت بات ہوتی مگر آپ ﷺ سے ایسی خلافِ عقل اور خلافِ فطرت بات کی توقع نہیں کی جاسکتی۔

نقل و عقل میں تعارض اور اس کا حل (حامیانِ عقل و دانش کے نکتہ نظر کی حقیقت)

مذکورہ بالا دلائل اور واضح نصوص سے یہ بات عیاں ہوتی ہے کہ شریعتِ اسلامیہ کی تعلیمات میں عقل کو ایک خاص مقام حاصل ہے اور یہ کہنا بالکل بجا ہے کہ کتاب و سنت کی تعلیمات نہ صرف عقل سلیم کے عین

مطابق ہیں بلکہ ان کے مابین کوئی تضاد نہیں، البتہ عقل بہر صورت نقل کے تابع ہی رہے گی، اسی لیے اگر کہیں بہ ظاہر سمعی وبصری اور عقلی دلائل میں تعارض وتضاد معلوم ہوتا ہو تو وہ دراصل ہماری عقل کا قصور ہوتا ہے ورنہ اگر بنظر عمیق دیکھا جائے تو وہ تعارض سرے سے تعارض ہوتا ہی نہیں۔ یوں بھی بالفرض اگر ہماری عقلوں کو ادلہ سمعی وبصری اور ادلہ عقلی میں تعارض وتضاد معلوم ومحسوس ہوتا ہو اور ہم سے اس کی کوئی تطبیق وتوافق کی صورت نہ بن سکے تو ترجیح کن دلائل کو دی جائے گی اس بارے اہلِ علم کے دو نکتہ نظر ہیں جن کو یہاں تحریر کیا جاتا ہے۔

1۔ حامیانِ عقل و دانش کا نکتہ نظر یہ ہے کہ بہر صورت عقل و دانش کو سمعیات کے مقابلے میں ترجیح دی جائے گی۔ اس سلسلہ میں ان کا استدلال یہ ہے کہ اگر بیک وقت دونوں میں جمع و تطبیق کی کوشش کی جائے تو یہ محال ہے، کیونکہ اس کا تو مطلب یہ ہوا کہ دونوں میں تناقض سرے سے تھا ہی نہیں۔ اور اگر دونوں کو بیک وقت قبول کر لیں تو اس سے جمع بین النقیضین لازم آئے گا اور اگر سمعیات کو عقل پر مقدم ٹھہرائیں تو یہ اس لیے درست نہیں کہ سمعیات کو عقل کی وجہ سے ہی تو تسلیم کیا گیا تھا۔ اور اب اگر عقل و نقل کے تعارض وتناقض کی صورت میں نقل کو ترجیح دی جائے تو اس کا مطلب ہے کہ فرع کو اصل کے مقابلہ میں ترجیح دی جارہی ہے، لہٰذا لا محالہ ایسی صورت میں عقل کو ہی نقل پر ترجیح دی جانی چاہیے۔[72]

2۔ حامیانِ نقل وسمعیات (محدثین) کا نکتہ نظر یہ ہے کہ جب نقل صحیح اور عقل صریح میں ٹھن جائے اور تطبیق وتوافق سے عقول عاجز آجائیں تو بہر صورت نقل صحیح کو ہی ترجیح حاصل ہو گی۔ ان حضرات کا طریقہ استدلال یہ ہے کہ جمع و تطبیق تو ہو نہیں سکی، لہٰذا اگر دونوں کو ہی تسلیم نہ کریں تو یہ رفع نقیضین ہو گا جو درست نہیں۔ تیسری صورت یہی رہ جاتی ہے کہ دونوں میں سے کسی ایک کو ترجیح دی جائے۔ لہٰذا ایں صورت نقل و سمع کو ترجیح حاصل ہو گی کہ خود عقل نے ہی سمعیات کو حق بجانب ٹھہرا کر اپنے اس حق سے دستبرداری حاصل کر لی تھی اور اس بات کو تسلیم کر لیا تھا کہ دینی حقائق و معاملات میں انبیاء ورسل ہی سے وہ استفادہ کرے گی۔ لہٰذا اگر عقل کی بنیاد پر سمعیاتِ صحیحہ میں ردوقدح سے کام لیا جائے تو یہ خلافِ عقل ہو گا اور اس کی زد خود عقل پر ہی پڑے گی کہ اس نے جس کو پہلے صحیح مستند اور منزہ عن الخطا قرار دے دیا تھا اب اسی کا انکار کر دیا۔[73]

یہ تو عقل کو نقل پر ترجیح دینے والوں کے عقلی استدلال کی حقیقت ہے، جہاں تک ان کے موقف کے نقلی دلائل کی بات ہے تو ان کی حقیقت کچھ یوں ہے:

حامیان عقل کی طرف سے بطور دلیل عقل کی فضیلت کے حوالے سے رسول اللہ ﷺ کی طرف منسوب درج ذیل روایات پیش کی جاتی ہیں:

- لما خلق الله العقل قال له: أقبل فأقبل، ثم قال له: أدبر فأدبر، قال: وعزتي ما خلقت خلقا أعجب إلي منك، بك أعطي وبك الثواب، وعليك العقاب [74]

سیدنا ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں ہے کہ نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا: جب اللہ نے عقل کو پیدا کیا تو اسے کہا: سامنے آجاؤ تو وہ سامنے آگئی۔ پھر اسے کہا: پلٹ جا، اس نے حکم کی تعمیل کی اور پلٹ گئی۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ گویا ہوئے: مجھے میری عزت کی قسم! میں نے تجھ سے بہتر، افضل اور احسن کوئی چیز پیدا نہیں کی۔ تیری وجہ سے میں بندوں کو نوازوں گا اور تیری وجہ سے ہی میں کسی کو ثواب، عقاب یا سزا دوں گا۔

- دين المرء عقله ومن لا عقل له لا دين له۔[75]

آدمی کے دین کی اساس اس کی عقل ہے اور جس کے پاس عقل نہیں اس کا کوئی دین نہیں۔

- أفلح من رزق لبا۔[76]

جس کو نعمتِ عقل سے نوازا گیا وہ کامیاب و کامران ہو گیا۔

- سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما (م 73ھ) سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: آدمی نماز پڑھنے، روزہ رکھنے، زکوۃ کی ادائیگی کرنے اور حج و عمرہ کی سعادت حاصل کرنے والا ہوتا ہے۔ اس کے بعد آپ ﷺ نے اور بھی کئی نیکیوں کا ذکر کیا اور پھر آخر پر فرمایا: " وما يجزى يوم القيامة إلا بقدر عقله." [77](ہر آدمی کو قیامت کے دن اعمال کا بدلہ اس کی عقل کے مطابق ہی ملے گا۔)

- سیدنا ابو ذر رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے مخاطب ہو کر کہا: اے ابو ذر!" لا عقل كالتدبير ولا ورع كالكف ولاحسب كحسن الخلق."[78]

- حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:" الاقتصاد في النفقة نصف المعيشة والتودد إلى الناس نصف العقل وحسن السؤال نصف العلم"[79](خرچ کرتے ہوئے میانہ روی اختیار کرنا دراصل نصف معیشت ہے اور لوگوں سے تعلقاتِ محبت رکھنا نصف عقل ہے اور اچھا سوال کرنا گویا نصف علم ہے۔)

مذکورہ بالا تمام روایات کو بطور دلیل پیش کرنا درست نہیں ہے کیونکہ محدثین نے ان روایات کو ضعیف قرار دیا ہے، امام ابن قیم الجوزیۃ(751ھ) لکھتے ہیں:"أحاديث العقل كلها كذب"، اسی طرح علامہ ناصر الدین البانیؒ(م1999ء) نے بھی عقل کی فضیلت کے متعلق مروی احادیث کو موضوع قرار دیا ہے۔[80]

لیکن اگر انسانی عقل سوچ وبچار کرتے کرتے اس حد تک آگے نکل جائے جہاں سے واپس آنا ہی ممکن نہ رہے اور انسان کے دائرہ اسلام سے نکل کر دائرہ کفر میں جانے کے امکانات پیدا ہو جائیں تو وہاں عقل کو کنٹرول کیے بغیر کوئی چارہ ہی نہیں رہتا۔ اسی لیے نبی ﷺ نے ایک موقع پر خود ہی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی رہنمائی کرنے کی غرض سے ارشاد فرمایا: لوگ برابر ایک دوسرے سے (یا اپنے نفس کے ساتھ) سوال کریں گے یہاں تک کہ یہ سوال بھی سامنے آئے گا کہ اللہ نے تمام مخلوقات کو پیدا فرمایا مگر اللہ کو پیدا کرنے والا کون ہے؟ تو جو شخص اس طرح کی کوئی بات محسوس کرے تو اسے (فوراً) کہنا چاہیے "میں اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لایا"۔[81] جب کہ ایک دوسری روایت میں ہے کہ اسے اللہ سے پناہ مانگنا چاہیے اور مزید سوچنے سے باز آجانا چاہیے۔[82] اور

سنن ابی داؤد کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ایسے موقع پر تم یوں کہو: "قُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ.اللَّهُ الصَّمَدُ. لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُولَدْ.وَلَمْ يَكُنْ لَهُ كُفُوًا أَحَدٌ." اور پھر اپنی بائیں جانب تین بار تھوکو اور اللہ سے پناہ مانگو کہ وہ شیطان مردود سے تمہاری حفاظت فرمائے۔[83]

اس حدیث میں آپ ﷺ کا غور و فکر کے گھوڑے کو مزید دوڑانے سے روکنا اور باز آنے کا حکم دینا، اس بات کی وضاحت کرتا ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے انسانیت کو اس حقیقت سے آگاہ کیا ہے کہ عقل بھی ایک خاص حد تک ہی سوچ سکتی ہے اور اس جائز حد سے آگے عقل کو سوچنے کی اجازت دینا اسے گمراہی کی راہ پر ڈالنا ہے۔ اس لیے کہ جب وجودِ انسانی ہر لحاظ سے ایک محدود(Limited) چیز ہے تو اس کی ایک عقلی صلاحیت غیر محدود کیونکر ہو گئی اور وہ محدود دائرہ سے نکل کر غیر محدود کے بارے سوچ وبچار کیونکر کر سکتی ہے۔

اس حدیث کی بنیاد پر کوئی معاندِ اسلام کہہ سکتا ہے کہ گویا حضرت محمد ﷺ کا اندازِ گفتگو استدلالی و برہانی نہیں تھا یا یہ کہ آپ ﷺ نے سوچ بچار کرنے پر قفل لگا دیے تھے۔ اس ممکنہ اعتراض وشبہ کا جواب امام ابن تیمیہؒ نے بہت خوبصورت انداز میں دیا ہے۔ جس کا خلاصہ یہاں نقل کیا جاتا ہے:

دراصل سوالات دو قسم کے ہو سکتے ہیں۔ ایک فاسد اور لایعنی قسم کے سوالات جن کا کوئی تک ہی نہ بنتا ہو جیسا کہ یہی سوال ہے کہ اللہ کو کس نے پیدا کیا؟ فطرتِ انسانی ہی اس سوال کے باطل ہونے کا تقاضا کرتی ہے۔ یہ اس لیے کہ تمام مخلوقات کے خالق کا کوئی خالق ہونا امر ممتنع ہے کیونکہ اگر خالق کا بھی کوئی خالق مان لیں تو وہ مخلوق ہو گیا اور وہ ہر مخلوق کا خالق نہ رہا اور اس کا شمار بھی مخلوقات میں ہو گا حالانکہ عقلِ انسانی اور فطرتِ انسانی تو یہ کہتی ہے کہ کوئی ایسا خالق ہو جو تمام مخلوقات کا خالق ہو اور خود مخلوق نہ ہو۔ چونکہ یہ سوال ہی فاسد اور لایعنی قسم کا تھا لہذا آپ ﷺ نے اس پر غور و فکر کرنے سے ہی منع کر دیا۔

سوالات کی دوسری قسم میں ایسے سوالات ہیں جنہیں صحت مند سوالات کہا جا سکتا ہے جو انسانی علوم و معارف میں ہمیشہ اضافے کا باعث بنتے ہیں۔ ایسے سوالات اگر رسول اللہ ﷺ کی خدمتِ عالیہ میں پیش کیے جاتے تو آپ ﷺ بخوشی ان کے جوابات بتلاتے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اشکالات و شبہات رفع فرماتے۔ مثلاً سنن ابن ماجہ کی روایت ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے استفسار کیا کہ مخلوقات کی تخلیق سے پہلے ہمارا رب کہاں تھا؟ آپ ﷺ نے جواب دیا کہ وہ بدلیوں میں تھا۔ اس کے اوپر ہوا تھی اور اس کے نیچے بھی ہوا تھی۔ پھر اس نے کائنات تخلیق کی اور اس کا عرش پانی پر تھا۔[84]

آپ ﷺ کا بذاتِ خود متعدد لوگوں سے یہ سوال کرنا کہ اللہ کہاں ہے؟ بھی دراصل سوالات کی اسی قسم سے تعلق رکھتا

ہے۔ کس حد تک امورِ شرعی اور نصوصِ قرآنی و حدیثی بارے غور و فکر کرنا چاہیے اور اس غور و فکر کا کیا منہج اور طریقہ بحث ہو اور کہاں جا کر مزید بحث و کرید کرنے سے باز آ جانا چاہیے، اس سلسلہ میں درج ذیل احادیث میں موجود واقعات سے ہمیں رہنمائی ملتی ہے، جن کا خلاصہ یوں ہے:

کچھ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مسجد نبوی ﷺ میں بیٹھے آیاتِ قرآنی کی بنیاد پر باہم بحث و تکرار کر رہے تھے۔ آپ ﷺ نے ان کی باتیں حجرے کے پیچھے سے سن لیں اور پھر آپ ﷺ ان صحابہ رضی اللہ عنہم کے پاس تشریف لائے تو چہرہ سے غصہ ٹپک رہا تھا اور پھر ان سے مخاطب ہو کے فرمایا:

لوگو! اسی وجہ سے تم سے پہلی قومیں گمراہ ہوئیں کہ انہوں نے اپنے دور کے نبیوں سے اختلاف کیا تھا اور کتابِ الٰہی کے ایک حصہ کو دوسرے حصہ سے متصادم کر دیا تھا۔ قرآن اس لیے نازل نہیں ہوا کہ تم اس کے ایک

حصے کو دوسرے حصے سے ٹکراؤ بلکہ اس کے تمام حصے ایک دوسرے کی تائید و تصدیق کرتے ہیں۔ تمہیں جو بات اس کی معلوم ہو جائے اس پر عمل کرو اور جو باتیں متشابہ نظر آئیں ان پر ایمان رکھو۔[85]

اس حدیث میں بھی دراصل غور و تدبر اور مباحثہ و مذاکرہ علمی سے منع نہیں کیا گیا بلکہ دراصل ان کا جو طریقہ بحث اور منہاجِ نظر و تدبر تھا وہ درست نہ تھا۔ وہ اپنے ناقص فہم کی بنا پر چونکہ آیاتِ قرآنی میں ظاہری تناقض و تضاد کا ذکر کر کے مجادلہ و مباحثہ کر رہے تھے اور اس طرح بعض آیات کی تصدیق اور بعض کی تکذیب کی غلطی کا ارتکاب کر رہے تھے، لہذا آپ ﷺ نے اس طریقہ بحث سے روکا کیونکہ اگر عقلِ صحیح کو صحت مند فہم اور مثبت طرزِ فکر حاصل ہو تو یہ ممکن ہی نہیں کہ اسے قرآن میں کسی قسم کا تضاد و تناقض اور تصادم نظر آئے۔ اسی لیے تو قرآن مجید کا یہ دعوی ہے کہ: "**أَفَلَا يَتَدَبَّرُونَ الْقُرْآنَ وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللَّهِ لَوَجَدُوا فِيهِ اخْتِلَافًا كَثِيرًا**"[86] (تو کیا وہ قرآن میں غور و فکر نہیں کرتے، اور اگر وہ غیر اللہ کی طرف سے ہوتا تو وہ اس میں بہت زیادہ اختلاف پاتے۔)

آپ ﷺ نے انہیں درست منہج بحث کی طرف بھی متوجہ کیا کہ آیاتِ قرآنی بہر صورت ایک دوسرے کی تصدیق کرتی ہیں، لہذا جو تمہیں سمجھ آجائے اس پر عمل کرو اور جو باتیں متشابہ نظر آئیں ان پر ایمان رکھو۔

اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ دین میں کج بحثی کی بہر صورت اجازت نہیں ہے، کیونکہ یہی وہ چیز ہے جو سابقہ امم کی تباہی و بربادی کا باعث بنی۔ آپ ﷺ کا غیر مسلموں خصوصاً یہود و نصاریٰ سے مباحثہ و مجادلہ ثابت ہے مگر اس میں وہ خوبی نمایاں نظر آتی ہے جس کی تلقین خود قرآن میں آپ ﷺ کو بایں الفاظ کی گئی تھی کہ: "**اُدْعُ إِلَى سَبِيلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ**"[87] (اپنے رب کی راہ کی طرف لوگوں کو حکمت اور بہترین نصیحت کے ساتھ بلائیے اور ان سے بہترین طریقے سے گفتگو کیجئے۔)

گویا ایک مجادلہ بطریق احسن اور ایک بطریق سوء بھی ہوتا ہے، اور آپ ﷺ اول الذکر طریقہ ہی اختیار کرتے تھے۔

لہذا یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ نقل (کتاب و سنت) کو عقل پر ترجیح دینے میں ہی عافیت ہے اور محدثین کا اپنی تصنیفات و تالیفات میں احادیث کو جمع کرنا، نیز "كتاب الاعتصام بالكتاب و السنة" قائم کر کے اس کے تحت قرآن اور احادیث کے دلائل نقل کرنا بھی اسی بات کی عکاسی کرتا ہے کہ محدثین، ائمہ فقہاء اور اہل علم نے

نقل (کتاب و سنت) نہ صرف ہر چیز پر ترجیح دی، بلکہ اس کو بحیثیت اصول بھی اختیار کیا ہے، جیسا کہ عبد العزیز مکیؒ نے مامون الرشید کی سرپرستی میں بشر مریسی معتزلی کے ساتھ جب مناظرہ کیا تھا تو آپ نے مناظرہ شروع ہونے سے قبل یہ شرط لگائی تھی کہ ہم نقل کو عقل پر مقدم رکھیں گے۔ مامون نے اس کی دلیل دریافت کی تو عبد العزیزؒ نے یہ آیت پڑھی: "يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنكُمْ فَإِن تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍفَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَالرَّسُولِ إِن كُنتُمْ تُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ ذَٰلِكَ خَيْرٌ وَأَحْسَنُ تَأْوِيلًا"[88] (اے ایمان والو! اللہ کی اطاعت کرو اور اس کے رسول کی بھی اطاعت کرو اور تم میں سے جو لوگ صاحب اختیار ہوں ان کی بھی۔ پھر اگر تمہارے درمیان کسی چیز میں اختلاف ہو جائے تو اگر واقعی تم اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتے ہو تو اسے اللہ اور رسول کے حوالے کر دو۔ یہی طریقہ بہترین ہے اور اس کا انجام بھی سب سے بہتر ہے۔)، تو مامون نے یہ بات اور منہج قبول کر لیا۔[89]

اور امام محمد بن حسن الشیبانیؒ کے فرماتے ہیں: "اتفق الفقهاء كلهم من المشرق إلى المغرب على الإيمان بالقرآن و الأحاديث بها الثقات عن رسول الله صلى الله عليه وسلم فى صفة الرب عزوجل"[90] قرآن اور صحیح حدیث کے صفات باری تعالیٰ میں حجت ہونے میں علماء مشرق و مغرب متفق ہیں۔

ابو الحسن اشعریؒ فرماتے ہیں: " وجملة قولنا انا نقربالله و ملائكته وكتبه ورسله و بما جاءوا به من عند الله وما رواه الثقات عن رسول الله لا نرد من ذالك شيئا"[91]

نتیجہ بحث

مذکورہ بالا بحث و تمحیص سے معلوم ہوا کہ محدثین کا اصول "**تقديم النقل على العقل**" کے تحت نقل (کتاب و سنت) کو عقل پر ترجیح حاصل ہو گی اور اس کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ سیدنا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: " لو كان الدين بالرأي لكان أسفل الخف أولى بالمسح من أعلاه، وقد رأيت رسول الله صلى الله عليه وسلم يمسح على ظاهر خفيه"[92] (اگر دین رائے اور قیاس پر مبنی ہوتا تو موزوں کا نیچے والا حصہ اوپر والے کی بہ نسبت مسح کا زیادہ مستحق ہوتا، مگر میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا ہے کہ آپ ﷺ اپنے موزوں کے اوپر ہی مسح کیا کرتے تھے۔)

نیز یاد رہے کہ شریعت اسلامیہ حقیقت و حکمت پر مبنی ہے، فطرت سلیمہ کے عین مطابق ہے عقل سلیم کے خلاف نہیں چنانچہ شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ نے یہ بات ثابت کرنے کے لیے بعض کتابیں تصنیف کی ہیں ان میں سے ایک

کانام "موافقة صحيح المنقول لصريح المعقول" ہے جو محی الدین عبد الحمید کی تحقیق کے ساتھ دو جلدوں میں مطبوع ہے دوسری کتاب "درء تعارض العقل والنقل" جو ڈاکٹر محمد رشاد سالم کی تحقیق سے نو جلدوں میں مطبوع ہے اور شاہ ولی اللہؒ کی "حجة الله البالغة" بھی اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے۔ بعض فقہاء نے بعض احادیث کا اس بناء پر رد کیا تھا کہ یہ قیاس کے خلاف ہیں تو شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ نے ان پر کافی رد لکھا ہے اس سلسلے میں ان سے ان کے تلمیذ شہیر حافظ ابن قیمؒ نے جو کچھ تحریر کیا وہ ایک رسالے میں مطبوع ہے جس کا نام "القياس فى التشريع الاسلامى" ہے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

حواشی وحوالہ جات

1. البقرة 02: 03

Al-Baqarah, 02:03

2. الأنعام 06: 153

Al-An´ām, 06:153

3. ابو عبدالله احمد بن حنبل، **المسند**، (لبنان: مؤسسة الرسالة، 2001ء)، رقم الحديث: 4142

Abū Abdillah Ahmad bin Hanmbal, *Al-Musnad,* (Lebnān: Mu´assasa al-risālah, 2001), No. 4142

4. الأنعام 06: 155

Al-An´ām, 06:155

5. الإسراء 17: 09

Al-Isrā, 17:09

6. البقرة 02: 185

Al-Baqarah, 02:185

7. النحل 16: 44

Al-Nahal, 16:44

8. الحشر 59: 07

Al-Hash´r, 59:07

9. البقرة 02: 02

Al-Baqarah, 02:02

10. الكهف 18: 01۔02

Al-Kah´f, 18:01,02

11. المائدة 05: 03

Al-Māidah, 05:03

12. الأحزاب 33: 36

Al-Ahzāb, 33:36

13. النور 24: 51

Al-Nūr, 24:51

14. الأعراف 07: 03

Al-A´rāf, 07:03

15. النساء 04: 59

Al-Nisā, 04:59

16. النساء 04: 64

Al-Nisā, 04:64

17. الحجرات 49: 01

Al-Hujurāt, 49:01

18. النساء 04: 115

Al-Nisā, 04:115

19. النساء 04: 58

Al-Nisā, 04:58

20. الأحزاب 33: 71

Al-Ahzāb, 33:71

21. النساء 04: 69

Al-Nisā, 04:69

22. ابو عبدالله محمد بن عبدالله الحاكم، **المستدرك على الصحيحين**، (بيروت: دار الكتب العلمية، 1990ء)، كتاب العلم، رقم الحديث: 319

Abū Abdillah Muhammad Bin Abdillah al-Hākim, *Al-Mustadrak âlā al-Šahīhain*, (Bairūt: Dār ul kutub al-ilmiyyah), kitāb-ul-ilm, No. 319

23. النساء 04: 65

Al-Nisā, 04:65

24. ابو بكر بن ابى عاصم الشيبانى، **السنة**، (بيروت: المكتب الاسلامى، 1400ھ)، باب ما يجب أن يكون هوى المرء تبعا لما جاء به النبي صلى الله عليه وسلم، رقم الحديث: 15

Abū Bak´r Bin Abī Ãsim al-Shaibānī, *Al-Sunnah,* (Bairūt: al-Maktab al-Islāmī, 1400 A.H), No. 15

25. ابو محمد عبدالله بن عبدالرحمن، **سنن الدارمی**،(الرياض: دار المغنى للنشر والتوزيع، 2000ء)، المقدمة، باب ما يتقى من تفسير حديث النبي صلى الله عليه وسلم، وقول غيره عند قوله صلى الله عليه وسلم، رقم الحديث: 449

Abū Muhammad Abdullah Bin Abdir Rehmān, *Sunan Al-Dārmī,* (al-Riyād: Dār ul Mughnī lin´nash´r wa al-Tauzīe, 2000), rqm āl-hadiṯ: 449

26. ابو عبدالله محمد بن اسمعيل البخارى، **الجامع الصحيح**، (دمشق: دار طوق النجاة، 1422ھ)، كتاب الحج، باب تقبيل الحجر، رقم الحديث: 1611

Abū Abdillah Muhammad Bin Ismāæl Al-Bukhārī, *Al-Jame Al-Šahīh,* (Dimash´q: Dār Tauq al-nijāt, 1422 A.H), Kitab al-Haj, Bāb taqbīl al-Hajar, No. 1611

27. البخارى، **الجامع الصحيح**، كتاب المناقب، باب علامات النبوات فى الاسلام، رقم الحديث: 3611

Al-Bukhārī, *Al-Jame Al-Šahīh,* kitāb al-Manāqib, Bāb alāmāt al-nubuw'wāt fī al-Islām, No. 3611

28. مسلم بن حجاج القشيرى، **صحيح مسلم**، (بيروت: دار احياء التراث العربى، 1998ء)، مقدمة، 13/1

Muslim Bin Haj´jāj al-Qushairī, *Šahīh Muslim,* (Bairūt: Dār Ehyā al-turāth al-Arabī, 1998), Muqaddimah, 13/1

[29]. ابو عيسى محمد بن عيسى الترمذى، **سنن الترمذى**، (مصر: شركة مكتبة ومطبعة مصطفى البابي الحلبي، 1975 م)، ابواب الإيمان، ما جاء في افتراق هذه الأمة، رقم الحديث: 2641

Abū Esa muḥmmad bin ʿ Esa āltrmḏi, *sunan āltrmḏi,* (mṣr: šrka mktba wa mṭbʿa mṣṭfa ālbāby ālḥlby, 1975), ābwāb ālḭymān ،mā ğāʾ fy āftrāq hḏh āl-umma, rqm āl-hadiṯ: 2641

[30]. البخارى، **الجامع الصحيح**، كتاب الشهادات، باب: لا يشهد على شهادة جور إذا أشهد، رقم الحديث: 2652

Al-Bukhārī, *Al-Jame Al-Šahīh,* kitab ālšhādāt ،bāb: lā yšhd ʿla šhād ǝğwrḭ ḏāí šhda ،rqm ālḥdiṯ: 2652

[31]. برهان الدين أبو الأمداد إبراهيم اللقاني، **عمدة المريد شرح جوهرة التوحيد**، (عمان: دار النور، 2014م)، 52/1

Burhān āldyn Abū āl-amdād Ibrāhym āllqāny *Uʿmd ālmryd šrḥ ğwhra āltwḥyd,* (Uʿmān: dār āl-nur,2014), 52/1

[32]. البقرة 02: 197

Al-Baqarah, 02:197

[33]. البقرة 02: 179

Al-Baqarah, 02:179

[34]. آل عمران 03: 07

Ãle Imrān, 03:07

[35]. يوسف 12: 111

Yusuf, 12:111

[36]. العنكبوت 29: 35

Al-Ânkabūt, 29:35

[37]. الفرقان 25: 73

Al-Furqān, 25:73

[38]. الملک 67: 10

Al-Mulk, 67:10

[39]. المائدة 05: 90

Al-Māidah, 05:90

[40]. المائدة 05: 75

Al-Māidah, 05:75

[41]. آل عمران 03: 59

Ãle Imrān, 03:59

[42]. البقرة 02: 111

Al-Baqarah, 02:111

[43]. الأنعام 06: 148

Al-An´ām, 06:148

[44]. الأنعام 06: 149-150

Al-An´ām, 06:149,150

[45]. الإسراء 17: 85

Al-Isrā, 17:85

[46]. سيد قطب، **فى ظلال القرآن**، (بيروت: دار الشروق، 1979ء)، 2249/4

Syed qṭb,*Fi ẓlāl āl-qurān,* (berūt: dār ālšrwq, 1979), 2249/4

[47]. محمد 47: 24

Muhammad, 47:24

[48]. النساء 04: 82

Al-Nisā, 04:82

[49]. الذاريات 51: 21

Al-zāriyāt, 51:21

[50]. القيامة 75: 38ـ39

Al-qiyāmah, 75:38,39

[51]. المؤمنون 23: 12ـ14

Al-Mu´minūn, 23:12-14

[52]. فصلت 41: 53

Fussilat, 41:53

[53]. الملک 67: 03ـ04

Al-Mulk, 67:03,04

[54]. محمد حنیف ندوی، **مطالعه قرآن**، (لاھور: علم و عرفان پبلشرز، 2002ء)، 295

Mūḥammad Ḥaniyf, Nadwi, Mūralaʿah e Qūrīn, (Lāhore: ʿlm o ʿrfān, 2002), 295

[55]. فاطمة اسمعیل مصری، **قرآن اورعقل**،207

Fāṭimah Ismaʿyl Misri, Qūr'īn O ʿaqal, 207

[56]. ابو الحسن علی بن محمد الماوردی، **اعلام النبوۃ**، (بیروت: دار ومکتبة الهلال، 1409ھ)،73,74

ābw ālḥsn ʿl یbn mḥmd ālmāwrd ،یāʿlām ālnbw) ،ةbیrwt: dār wmktb ةālhlāl73,74،(ھ1409 ،

[57]. ابو العباس احمدبن عبدالحلیم ابن تیمیة،**الجواب الصحیح لمن بدّل دین المسیح**، (مقام اشاعت ندارد، مطابع المجد التجاریة، س۔ن)،67/4

ābw ālʿbās āḥmdbn ʿbdālḥlیm ābn tیmy،ةālğwāb ālṣḥیḥ lmn bd̈l dیn ālmsیḥ) ،mqām āšāʿt ndārd ،mṭābʿ ālmğd āltğāry ،ةs۔n67/4،(

[58]. محمد بن احمد ابن رشد الاندلسی، **الکشف عن مناهج الادلة فی عقائد الملة**، (مصر: مکتبةمحمودیة،1968ء)، 63

mḥmd bn āḥmd ābn ršd ālāndls ،یālکšf ʿn mnāhğ ālādl ةf یʿqāئd āml) ،ةmṣr: mکtbةmḥmwdy1968،ة’63 ،)

[59]. الإسراء 17: 90ـ93

Al-Isrā, 17:90-93

[60]. الإسراء 17: 59

Al-Isrā, 17:59

[61]. العنکبوت 29: 50ـ51

Al-Ânkabūt, 29:50,51

[62]. ندوی، **مطالعه قرآن**، 108

Nadwi, Mūralaʿah e Qūrīn, 108

[63]. فاطمة اسمعیل مصری ، **قرآن اورعقل**، 114

Fāṭimah Ismaʿyl Misri, Qūr'īn O ʿaqal, 207

[64]. ابن تیمیة، **درءتعارض العقل والنقل**، (قاهرة: دارالحدیث، 2006ء)، 186/1

Ibn e Taimiyyah, drʾo Taʿārūḍ ālʿaqal wa āl nNaql, (Cairo: Dār āl Ḥadith, 2006) 1/186

[65]. فاطمة اسمعیل مصری ،**قرآن اور عقل**، 164

Fāṭimah Ismaʿyl Misri, Qūr'īn O ʿaqal, 207

[66]. ابن تیمیة، **درء تعارض العقل والنقل**، 198/1

Ibn e Taimiyyah, drʾo Taʿārūḍ ālʿaqal wa āl nNaql, 1/198

[67]. البخارى، **الجامع الصحيح**، كتاب بدء الخلق، باب ما جاء فى قول الله تعالىٰ: (وهوَ الَّذِىْ يَبْدَؤُ الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْده)، رقم الحديث: 7418 ،3191 ،3190

Būkhāri, āl Ğāmiʿ āl Ṣḥiḥ, Kitāb badʾ āl H_alq, Bāb mā ğāʾ fi Qawl e Taʿālā (Hūwa āl Laḏi Yabdaʾūl H_alq), Hadith: 319.7418 ،3191 ،7418 ،3191 ،

[68]. فاطمة اسمعيل مصرى، **قرآن اور عقل**، 113

Fāṭimah Ismaʿyl Misri, Qūr'īn O ʿaqal, 113

[69]. البخارى، **الجامع الصحيح**، كتاب بدء الخلق ، باب ما جاء فى قول الله تعالىٰ(وهوَالَّذِىْ يَبْدَؤُالْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْده وهوَأهوَنُ عَلَيه) ، رقم الحديث: 3192

Būkhāri, āl Ğāmiʿ āl Ṣḥiḥ, Kitāb badʾ āl H_alq, Bāb mā ğāʾ fi Qawl e Taʿālā (Hūwa āl Laḏi Yabdaʾūl H_alq), Hadith: 3192

[70]. ابو داود سليمان بن اشعث السجستانى، **سنن ابى داود**، كتاب الأدب، باب فى رد الوسوسة، (بيروت: المكتبة العصرية، 1999ء) رقم الحديث: 5111

Ābūw Dāwūd, Sūlaimān bin Ašʿaṯ, āl Sūnan, Kitāb āl Ādab, Bāb fi Rad āl Waswasah, (Beruit: āl Maktabah āl ʿasriyyah, 1999), 5111

[71]. مسلم بن حجاج، **صحيح مسلم**، كتاب الايمان، باب بيان الوسوسة فى الإيمان، رقم الحديث: 133

Mūslim bin Hğāğ, āl Ğāmiʿ āl Ṣaḥiḥ, Kitāb āl iymān, Bāb Bayān āl waswasah fil āl Iymān, 133

[72]. فاطمة اسمعيل مصرى، **قرآن اور عقل**،152

Fāṭimah Ismaʿyl Misri, Qūr'īn O ʿaqal, 207

[73]. ايضاً، 152-153

Fāṭimah Ismaʿyl Misri, Qūr'īn O ʿaqal, 152, 153

[74]. ابو القاسم سليمان بن احمد الطبرانى، **المعجم الكبير** ، (القاهرة: مكتبة ابن تيمية، 1994 م)، رقم الحديث: 2838

Ābūw āl Qāsim, Sūlaimān bin Āḥmd, āl Tbrāni, āl Mūʿğam āl Kabiyr (Cairo: āl Maktabah Ibn e taimiyya, 1994), 2838

[75]. ناصر الدين الالبانى، **سلسلة الأحاديث الضعيفة والموضوعة و أثرها السيئ في الأمة**، (الرياض: دار المعارف، 1992ء)، 98/8

Nāṣir āl Diyn āl bāni, Silsiatūl āl Āḥādiyṯ āl ḍaʿyfah wa āl Maūwḍūwʿaẗ wa Āṯarūhā āl Sayyʾū fy āl ūmmaẗ (āl riyāḍ: dār āl Maʿārif, 1992), 8/98

[76]. الطبرانى، **المعجم الكبير** ، 33/19

āl Tabrāni, *āl Mūʿğam āl Tabrāni*, 19/33

[77]. ابو بكر احمد بن الحسين البيهقى، **شعب الإيمان**، (الرياض: مكتبة الرشد للنشر والتوزيع، 2003ء)، رقم الحديث: 4316

Ābw Bakr Āḥmad bin āl-Ḥūṣayn āl-Bayhaqy, *Šʿb āl-Iymān*, (Āl-rYād: Maktaba al-Rušd linnašri Wa al-Tawḍyʿ, 2003), rqm āl-ḥdyṯ: 4316

[78]. ابوعبدالله محمد بن يزيد ابن ماجة، **سنن ابن ماجة**، كتاب الزهد، باب الورع و التقوى، (بيروت: دار احياء الكتب العربية، 1999ء)، رقم الحديث: 4217

Ābwʿbdillah Muḥammad bin Yazyd Ibn-e-Māğẗ, *Sunan Ibn-e-Māğẗ*, Kitāb āl-zuhad, Bāb āl-awrʿi w āl-taqwā, (Bayrūt: Dar Ihḥyāʾ al-kutub al-ʿarabiyyaẗ, 1999), rqm āl-ḥdyṯ: 4217

[79]. البيهقى، **شعب الإيمان**، رقم الحديث: 6148

āl-Bayhaqy, *Šʿb āl-Iymān*, rqm āl-ḥdyṯ: 6148

[80]. محمد بن ابى بكر ابن قيم الجوزية، **المنار المنيف في الصحيح والضعيف**، (حلب: مكتبة المطبوعات الإسلامية، 1970ء)، 66/1؛

محمد بن عبد الله الخطيب التبريزى، **مشكوة المصابيح**، تحقيق : محمد ناصر الدين البانى، (بيروت: المكتب الاسلامى، 1985ء)

1406/3۔ عقل کی فضیلت و اہمیت بارے دسیوں احادیث کے لیے ملاحظہ فرمائیں: ابن حجر احمد بن علی العسقلانی، **المطالب العالية بزوائد المسانيد الثمانية**، جلد ٢٣۔٢٤، ریاض: دار العاصمة، طبع اول، 2000ء ، 23-88/24- 128 ، مگر آپؒ نے خود ہی ان تمام کے موضوع ہونے کا بھی فیصلہ دیا ہے۔ چنانچہ ملاحظہ ہو: ابن حجر العسقلانی، **المطالب العالية**، 25-725/26

Muḥammad bin Āby Bakr Ibn Āl-qayyam āl-Ğwzyaẗ, *Āl-mnār Āl-munyf fy āl-Ṣḥyḥ wālḍʿyf*،(Ḥlb: mktbaẗ āl-maṭbwʿāt āl-islāmyaẗ, 1970),1/66; Muhammad Bin ʿabdullahal-H_aṭyb al-Tabryzy, *Miškāt al-Maṣābyḥ*, Taḥqyq: Muhammad Nāsir ul-Dyn al-Bāny, (Bayrūt: āl-maktab āl-islāmy,1985), 3/1406

[81]. مسلم بن حجاج، **صحيح مسلم**، كتاب الايمان، باب بيان الوسوسة فى الإيمان، رقم الحديث: 134

Mūslim bin Hğāğ, āl Ğāmiʿ āl Ṣaḥiḥ, Kitāb āl iymān, bāb byān ālwswsaẗ fy al-iyān, rqm āl-ḥdyṯ: 134

[82]. البخارى، **الجامع الصحيح**، كتاب بدء الخلق، باب صفة ابليس وجنوده، رقم الحديث:3276

Būkhāri, āl Ğāmiʿ āl Ṣḥiḥ, Kitāb badʾ āl H_alq, Bāb ṣifaẗ āl-Iblys wa ğunwdih, rqm āl-ḥdyṯ: 3276

[83]. ابو داؤد، **سنن ابى داؤد**، كتاب السنة، باب فى الجهمية، رقم الحديث: 4722

Ābūw Dāwūd, *āl Sūnan*, Kitāb āl-sunnaẗ ،bāb fy āl-ğhmyaẗ, rqm āl-ḥdyṯ: 4722

[84]. ابن ماجة، **سنن ابن ماجة**،كتاب السنة،باب فيما أنكرت الجهمية، رقم الحديث: 182؛ ابو عبدالله احمد بن حنبل الشيبانى، **المسند**، (بيروت: مؤسسة الرسالة، 2001ء)، رقم الحديث: 16188,

ābn māğa, *sunan ābn māğa*, kitāb ālsnna, bāb fy mā ankarat ālğhmya, rqm ālḥdyṯ: 182; Ābw ʿbdillah Āḥmd bin Ḥanbal āl-Šybāny ،*āl-Musnad,* (Lebnān: Mu´assasa al-risālah, 2001) ʾ rqm ālḥdyṯ: 16188

[85]. مسلم بن حجاج، **صحيح مسلم**، كتاب العلم، باب النهي عن اتباع متشابه القرآن، رقم الحديث: 2666؛ احمد بن حنل، **المسند**، رقم الحديث: 6741

Mūslim bin Hğāğ, āl Ğāmiʿ āl Ṣaḥiḥ, Kitāb ālʿlm ،bāb ālnhy ʿn ātbāʿ mtšābh ālqurān, rqm ālḥdiṯ: 2666; Āḥmd bin Ḥanbal, *āl-Musnad*, rqm ālḥdyṯ: 6741

86. النساء 04: 82

Al-Nisā, 04:82

87. النحل 16: 125

Al-Nahal, 16:44

88. النساء 04: 59

Al-Nisā, 04:59

89. عبدالعزيز بن يحيى المكى، **الحيدة والاعتذار في الرد على من قال بخلق القرآن**، (جدة: مكتبة العلوم و الحكم، 2002ء)، 06

Abdālʿziz bn yaḥya ālmaki, *ālḥyda wālāʿtḏār fy ālrd ala mn qāl bikẖlq ālqurān*, (ğdda: mktba ālʿlwm w ālḥkm, 2002), 06

90. ابن تيمية، **الفتوى الحمويه الكبرى**، 29

ābn tymya, *ālftwa ālḥmwyh ālkbra*, 29

91. أبو الحسن على بن اسمعيل الأشعري، **الإبانة فى أصول الديانة**، (القاهرة: دار الأنصار، 1397هـ)، 21

Abū ālḥsn ʿlbn āsmʿil ālašʿry ،*ālịbān fi uṣul āldyān* (āl-qāhra: dār ālanṣār, 1397), 21

92. أبو داود، **سنن أبى داود**، كتاب الطهارة، باب كيف المسح، رقم الحديث: 162

Abū Dāwūd, *Sunan Abī Dāwūd*, kitāb āl-ṭhārah, Bāb kaifa ālmsḥ, hadith No. 162